POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 December 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 02-12-2024 • Price: 5/- • 8-14 December 2024 • Issue: 46 • Vol:83

۸تا۱۴؍دسمبر ۲۰۲۴ء • شمارہ:۴۶ • جلد:۸۳

اُردو اِملا کی بحث: چند معروضات

خورشید اکرم

کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

یہ داغ کا مشہورِ زمانہ مصرع ہے۔ زبان کے بارے میں ایسا کوئی دعوا شاید کسی اور صاحبِ زبان نے نہیں کیا ہوگا۔ زبانیں اظہار کی ضرورت کے تحت وجود میں آتی رہتی ہیں اور بنتی بدلتی بھی رہتی ہیں۔ یہ کوئی ایسی ٹھوس شے نہیں ہے جس کے وجود اور ارتقا میں کوئی میکانیکی ساخت یا تسلسل ہو۔ اس کے قواعد میں بھی استثنیات ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی اردو کے بارے میں داغ کا بیان محض شاعرانہ غلو نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کوئی فطری یا خودرو زبان نہیں ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ دنیا میں کوئی اور زبان بھی ایسی ہے جس کے قواعد کسی دیسی زبان سے مستعار ہوں اور رسمِ خط کسی باہری زبان کا ہو اور الفاظ کا ذخیرہ دیسی زبانوں اور بولیوں سے زیادہ بدیسی الفاظ پر مشتمل ہو اور اس کے اپنے لفظ بہت ہی کم ہوں۔ سو برس تک جس کے الفاظ، امثال، محاوروں، تراکیب، اور روزمرہ کی صفائی ستھرائی کی گئی ہو۔ پھر اس کے آس پاس ہی ایک دیسی زبان کی معاندانہ تشکیل ہوئی ہو جس پر جڑواں بہنیں ہونے کا دھوکہ بھی آسان ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسی زبان کے بارے میں یہ دعوا کون کرسکتا ہے کہ اسے پوری طرح آتی ہے۔ جس شاعر (علامہ اقبال) نے اردو شاعری کو مالامال کیا اس سے ایک صاحبِ زبان (پیارے میاں رشید) کہہ سکتے ہیں کہ 'اردو میں بھی کچھ سنایئے۔'

اس زبان کے ساتھ زبان کے شعور کا مسئلہ تو ہے ہی، اہلِ زبان کے سامنے عامیوں کی زبان میں در آنے والی خامیوں اور خرابیوں کی اصلاح ایک مستقل مسئلہ ہے۔ اردو املا کی درستگی، یکسانیت اور معیار بندی کی بحث بھی اس کے پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے۔ یہ بحث ایک بار پھر انجمن ترقی اردو (ہند) کے ترجمان سہ ماہی 'اردو ادب' کے املا نمبر (جولائی 2023 تا مارچ 2024) شمارہ 69-267، جلد 68-67 سے تازہ ہوگئی ہے۔ اردو املا نمبر پر مشتمل اس شمارے میں املا کی درستگی یا یکسانیت یا معیار بندی کے سلسلے میں پچھلے تقریباً 80 برسوں میں جو کوششیں کی گئی ہیں ان کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ شمارے میں نئے و پرانے علمائے زبان و قواعد جناب عبدالستار صدیقی، رشید حسن خان، مولوی سیّد ہاشمی صاحب فریدآبادی، رؤف پاریکھ، غلام مصطفیٰ خان، رفیع الدین ہاشمی، فرمان فتح پوری، خلیق نقوی اور غلام رسول کے مضامین شامل ہیں۔ یہ مضامین زبان کے اصول وضوابط کی روشنی میں املا کے تعین کی علمی بحثوں کو محیط ہیں۔ انجمن کی مشاورتی کمیٹی 1944 کی اردو املا رپورٹ (مرتبہ: مولوی سیّد ہاشمی صاحب فریدآبادی) بہ طورِ ضمیمہ شامل ہے۔ علاوہ ازیں 'سفارشاتِ اردو املا' کے عنوان کے تحت دو تحریریں: ایک انجمن ترقی اردو (ہند) کی اور دوسری ادارۂ فروغِ قومی زبان (اسلام آباد 2022) بھی شامل ہیں۔ انجمن کی سفارشات بیش از بیش رشید حسن خاں کی سفارشات پر مبنی معلوم ہوتی ہیں۔

یہ سارے مضامین پڑھنے کے لائق ہیں سمجھنے کے لائق ہیں لیکن ان میں کچھ بنیادی تضادات بھی ہیں، جس کا اظہار رؤف پاریکھ صاحب نے اپنے مضمون کے اخیر میں کیا ہے:

> 'کبھی ہم لفظ کی اصل اور اشتقاق پر زور دیتے ہیں اور کبھی رواج اور چلن کی پابندی کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں کبھی املا کو آسان بنانے کی سوچتے ہیں لیکن عربی و فارسی کے حروفِ تہجی اور ان کے املا کو بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اردو میں اردو کا استعمال سند ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ عربی یا فارسی میں ایسے نہیں لکھا جاتا۔ ہم فارسی کی بھی پابندی کرنا چاہتے ہیں اور اردو کے تلفظ کو بھی ترجیح دیتے ہیں۔ کبھی ہمیں کسی لفظ یا محاورے کی اصلیت کا خیال آتا ہے اور ہم زبان کو خالص رکھنا چاہتے ہیں لیکن کبھی غلط العام فصیح کا سہارا لے کر بڑی بڑی باتوں کی طرف سے آنکھیں بند بھی کر لیتے ہیں۔ کبھی عربی املا پر اڑ جاتے ہیں اور کبھی اردو کے تصرفات کو جائز مان کر تبدیل شدہ املا کو قبول کر لیتے ہیں۔'

انجمن کے جنرل سکریٹری اور 'اردو ادب' کے مدیر جناب اطہر فارقی صاحب نے، جو اردو زبان کے مسئلے پر اور اردو زبان کی سیاست کے مسئلے پر بھی برابر لکھتے رہے ہیں، ایک تفصیلی اداریہ لکھا ہے، جو خود اپنے آپ میں ایک مضمون ہے۔ انھوں نے تین چار بڑے اہم نکتے اجاگر کیے ہیں: پہلا مسئلہ تو املا کا ہی ہے جس میں ان کا بنیادی مقصد یا نکتہ یہ ہے کہ اردو املا کی معیار بندی اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کی کسی اور زبان میں ایک لفظ کئی کئی طرح سے نہیں لکھا جاتا جیسا کہ اردو میں ہوتا ہے، دوسری جو اہم بات انھوں نے اٹھائی ہے وہ اعراب کے سلسلے میں ہے، یعنی اردو میں زیر زبر پیش، جزم، تشدید وغیرہ کا رواج بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے الفاظ کو صحیح صحیح پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے؛ تیسری بات انھوں نے اضافت کے سلسلے میں کی ہے کہ اعراب کی طرح اضافتیں لگانے کا سلسلہ بھی ترک کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے طلبہ ہی نہیں عموماً اساتذہ تک پڑھنے/ بولنے میں غلطی کرتے ہیں۔ ان کا اگلا نکتہ یہ ہے کہ انگریزی کے الفاظ اردو میں کیسے لکھے جائیں، بالخصوص ان کی جمع۔ مثال کے طور پر یونی ورسٹی کی جمع کو انگریزی قواعد کے مطابق ز (s) جوڑ کر لکھا جائے یعنی یونیورسٹیز لکھا جائے یا اسے اردو جمع کے قاعدے پر یونی ورسٹیوں لکھا جائے۔

○

آپ میں سے بیشتر کو معلوم ہوگا کہ اردو املا کے سلسلے کا آخری سب سے بڑا اور منظّم کام، ہندستان کی حد تک رشید حسن خان نے کیا تھا۔ 'اردو املا' کے نام سے ان کی کتاب ترقی اردو بورڈ سے، اب جو قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے نام سے معروف ہے، 1972 میں چھپی تھی۔ اس کی سفارشات پر بیشتر علمائے زبان کا اتفاق ہے لیکن ان میں سے بیشتر پر عوام یعنی زبان کے صارفین کا اتفاق نہیں ہو سکا۔ یعنی جو الفاظ املا کے حساب سے انھوں نے بتائے، مثلاً گاؤں یا کنواں یا طوطا (اس طرح کے الفاظ کی ایک طویل فہرست ہے) ان میں سے بہت تھوڑے سے الفاظ ہی بعد میں نئی شکل میں قبول کیے گئے۔ اب ان سفارشات کو بھی پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ماننا ہوگا کہ اس دوران اردو زبان کی لکھت پڑھت خاصی بدل گئی ہے۔

اب اِس زمانے میں ہمارے لیے یہ بہت بڑا مسئلہ ہوگا کہ ہم زبان کے املا کے پورے ڈھانچے کو بدلیں۔ جو سفارشات 1970 میں رشید حسن خان کی کتاب 'اردو املا' میں پیش کی گئی ہیں، ان کو ہم اس لیے بھی اصولی طور پر معتبر مان لیتے ہیں کہ رشید حسن خاں کی سفارشات پچھلی تمام سفارشات کا نچوڑ ہیں۔ ان کے بعد سے املا کے سلسلے میں کوئی بڑا یا منظّم کام کم از کم ہندستان میں نہیں ہوا ہے۔ پاکستان میں ہوا ہے لیکن اس میں رشید حسن خاں کی سفارشات کو مدِ نظر رکھا گیا کہ نہیں، مجھے نہیں معلوم۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ 50 برس میں زبان جس سطح پہ پہنچ

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

گئی ہے (اس کا انتشار، اس کی انارکی کو بھی شاملِ حال سمجھیے !) کیا اس میں تبدیلی ممکن ہے۔ یوں بھی زبان کی انارکی زیادہ سے زیادہ لفظوں کے استعمال پہ/ میں ہوئی ہے اس کے معنی کے سلسلے میں ہوئی ہے، املا کے سلسلے میں بہت زیادہ انتشار نہیں ہوا ہے، ایسا میرا خیال ہے۔

چناں چہ اب مسئلہ یہ ہے کہ اردو زبان جو اتنے بڑے جغرافیائی اور لسانی وتہذیبی ہر دو اعتبار سے متنوع خطے میں لکھی پڑھی جاتی ہے اور اتنا بڑا جو ادبی سرمایہ ہے ادب کا اور اسلامیات کا ان سے صرفِ نظر کر کے زبان کے نظری اصولوں کی بنیاد پر املا میں تبدیلی پر اتفاقِ رائے کرنا خود کس حد تک ممکن ہے اور پھر ان کو رائج کرنا کتنا قابلِ عمل ہوگا۔ وجہ یہ کہ اہلِ علم یا ماہرینِ لسانیات زبان کا جو درک رکھتے ہیں اور جس کی بنیاد پہ وہ زبان یا املا میں تبدیلی کی شکلیں طے کرتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں وہ عامیوں کو معلوم نہیں ہوتے۔ عامیوں کے ذہن میں، بہ قولِ رشید حسن خاں لفظ کا وہی نقش موجود ہوتا ہے جو اس نے ابتدائی جماعتوں میں پڑھا ہے۔ رحمٰن یوں لکھا جاتا ہے کیوں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو رائجِ عام ہے، اس کا رحمٰن سب کے سامنے ہے۔ رحمٰن ایک بامعنی لفظ بھی ہے اور نام بھی، مگر یہ اللہ کے صفاتی ناموں میں سے ایک ہے، لہٰذا زبان جاننے والے صرف رحمان نام نہیں رکھتے۔ عبدالرحمٰن، شمس الرحمٰن وغیرہ قسم کے نام رکھے جاتے ہیں۔ چناں چہ عبدالرحمٰن کو عبدالرحمان لکھنا کتنا اٹپٹا ہو جاتا ہے۔ یہاں لفظ کے دو ٹکڑے ہیں عبدال اور رحمٰن یعنی اس کا تلفظ ہونا چاہیے تھا عبدل رحمان لیکن صحیح تلفظ عبدر/ رحمان ہوا۔ عبدالر میں پہلے تو عربی قاعدے کے مطابق الف کا تلفظ پیش ہو گیا اور 'ل' خاموش (سائلینٹ) ہو گیا۔ سوال یہ کہ پھر کیوں نہ اسے عبدررحمان ہی لکھا جائے۔ مشہورِ زمانہ ادیب شمس الرحمان فاروقی بھی اپنا نام پرانے املا کے مطابق ہی لکھتے تھے۔ یقینی بات ہے کہ اردو املا کے مباحث ان کے سامنے بھی آئے ہوں گے اور یہ ناممکن ہے کہ اس باب میں ان کی اپنی کوئی رائے نہ ہوگی۔ یقیناً ہوگی۔ تبھی تو انھوں نے اپنے نام کے املا میں تبدیلی نہیں کی، لیکن مثلاً لفظ سلیمان دینی مدارس کی کتابوں میں اگر کہیں سلیمٰن لکھا ملتا ہو تو نہیں کہا جا سکتا لیکن اردو کی عام کتابوں میں حتیٰ کہ فیروز اللغات میں بھی نہیں ہے۔ یوں بھی مجرد لفظ کی صورت بدلنے میں مرکب لفظ کی صورت حارج ہوتی ہے اور اردو میں مرکب الفاظ کی تعداد آپ جانیں کتنی زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ کھلا کہ لفظ کی اصل صورت یعنی ایک کھڑا زبر سے چھٹکارا پانے میں دو تین طرح کے الجھاوے پیدا ہو گئے۔ واضح ہو کہ تجہ مجہ جیسے عمومی الفاظ کے ہجے میں تبدیلی تو جلد قبول کر لی جاتی ہے لیکن مخصوص معنی یا حسیت رکھنے والے الفاظ میں تبدیلی بہ مشکل ہی قبول کی جاتی ہے یوں بھی سفارش کے مطابق رحمٰن کو چھوڑ کر دیگر نام مثلاً مصطفیٰ، عیسیٰ، موسیٰ وغیرہ اصل عربی ہجے کے مطابق یوں ہی لکھے جاتے رہیں گے۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ املا میں بہتری یا یکسانیت کی کوشش ہی نہ کی جائے۔ ایسے الفاظ جن میں نون غنہ حروف کے درمیان میں آتا ہے لیکن ن ہی لکھا جاتا ہے، ان پر غور کیا جانا چاہیے ...مثلاً ہنس، (ہنسنا، ہنسی)، پھنس، (پھنسا، پھنسی)، کیوں کہ، چوں کہ وغیرہ میں کون سی علامت استعمال کی جائے کہ یہ ظاہر ہو کہ یہاں 'ن' کا مخرج نون غنہ ہے۔ کیونکہ پھُنسی اور پھَنسی ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اور ہنس (پرندہ) اور ہنس (ہنسی) بھی ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے۔

نئے املا کے رائج اور قبولِ عام ہونے میں کم از کم دو نسلوں کا فاصلہ درکار رہتا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اردو زبان میں بیش تر الفاظ عربی سے آئے ہیں یا فارسی سے۔ فارسی سے درآمد کیے گئے لفظوں کا ہجا یا املا تو کم و بیش وہی ہوتا ہے جو فارسی میں ہے، اختلافِ معنی کے باوجود یعنی یہ کہ لفظ کا جو مفہوم فارسی میں رائج ہے، اردو میں اس سے کچھ مختلف بھی ہو جاتا ہے۔ تاہم الفاظ کا اصل فارسی املا اس لیے بھی رائج ہے کہ اردو فارسی رسمِ خط میں لکھی جاتی ہے۔ اسی طرح عربی کے الفاظ بھی اس کے املا کے ساتھ لے لیے گئے اگر چہ بعض حروف کے مخرج سے اردو نے چھٹکارا حاصل کر لیا، مثلاً عین نہیں بولتے، اسے الف کی طرح بولتے ہیں، یعنی لکھتے معلوم ہیں اور بولتے مالوم ہیں۔ یہی حال ح، ص، ض، ظ اور ث کا ہے۔ ہم حدیث کو ہدیس پڑھتے ہیں عربی حدیتھ بولتے ہیں۔ مثلاً ہم 'ز' یا 'ز'، ابوزہبی، رمزان بولتے ہیں وہ 'ز' یا 'دھ'، ابودھابی، رمدھان بولتے ہیں۔ یعنی تلفظ کے فرق کے باوجود لکھنے کی حد تک ہم اصل زبان کے املا کو اس لیے مانتے ہیں یا اصل کی ہی پیروی کرتے ہیں کیوں کہ لکھنے میں جب کسی لفظ کے مشتقات سامنے آئیں گے تو ہمیں لفظ کے مادہ سے یعنی اس کی اصلی/ بنیادی صورت سے رجوع کرنا پڑے گا۔ علم، عالم، معلوم، معلم، تعلیم، علیم ...سب کا مادہ ع ل م ہے۔ اگر معلوم کو تلفظ کے اعتبار سے اور لکھنے کی آسانی کے طور پر مالوم لکھ دیں تو پھر 'علم' کا کیا ہوگا۔

حروف کی شکلوں اور املا میں پچھلے چار سو برسوں میں بتدریج کافی کچھ بدلا ہے لیکن تبدیلی کی رفتار بہت دھیمی رہی ہے جس باعث یہ غیر محسوس طریقے سے زبان کی لکھت میں سرایت کرتی چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے 200 سال کا ہمارا جو سرمایہ ہے وہ پڑھنے کی حد تک آج کے قاری کے لیے بھی زیادہ نامانوس نہیں ہے۔

اردو ہندی کی طرح فونیٹک زبان نہیں ہے۔ یہ ہندی کی طرح سائنٹفک ڈھنگ سے نہیں لکھی جا سکتی کہ جو لکھا جائے وہی پڑھا بھی جائے۔ ہم جانتے ہیں کہ جو ہندی اس وقت ناگری میں لکھی جا رہی ہے وہ تراشی ہوئی زبان ہے۔ اس نے سنسکرت لپی کو لے کر آوازوں کی بنیاد پہ لفظ کی شکل طے کی ہے۔ اسی لیے اس کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس کے پاس اردو کی طرح متبادل حروف نہیں ہیں سوائے 'سا' کے جو تین شکلوں میں لکھا جاتا ہے، کیوں کہ یہ سنسکرت میں بھی ہے۔

نئے سرے سے غور و خوض

اردو املا کی سفارشات پر نئے سرے سے غور کرنے کے لیے ہندستان اور پاکستان کے ماہرینِ زبان کی ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئے جس میں بہت کم بلکہ کم سے کم الفاظ کے املا کی درستگی اور یکسانیت پر غور کیا جائے۔ وہ کمیٹی نئے املا کے مطابق لکھے جانے والے الفاظ اور تراکیب کی ایک فائنل فہرست بنائے، جن کو فی الفور لاگو کر دیا جائے۔ باقی ماندہ سفارشات کو ریزرو رکھا جائے تا کہ مستقبل میں بہ صورتِ ضرورت وہ استفادہ یا حوالے کے لیے دستیاب ہوں۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ اگر لغت کے اندراج کا مسئلہ ہے تو لغت میں جب اصل لفظ لکھا جائے یعنی نیا املا لکھا جائے تو وہیں بریکٹ میں پرانا املا بھی لکھ دیا جائے تا کہ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس کا پرانا املا یہ تھا اور اگر وہ کوئی پرانا لغت دیکھ رہا ہو تو اسے یہ بھی معلوم رہے کہ اُس لغت میں یہ لفظ اس طرح لکھا ہوا ملے گا یا مل سکتا ہے۔ لہٰذا وہ وہاں تلاش کرے گا۔

ہندی یا دیگر ہندستانی الفاظ، مخلوط اور مرکب الفاظ کی معیار بندی صرف اس حد تک کی جائے جو صحیح طریقے سے پڑھنے میں نہیں آتے ہیں۔ لیکن 'بل کہ' جیسی اصلاح ناقابلِ قبول معلوم ہوتی ہے کیوں کہ 'بل' (بمعنی گھماؤ/ طاقت) اور 'کہ' دو آزاد اور بامعنی لفظ ہیں۔ جب کہ بلکہ یک معنی لفظ ہے۔ ایسا ہی معاملہ 'بالکل' کا ہے۔ اگر اسے بلکل لکھا جائے تو پھر ان ڈھیروں عربی مخلوط الفاظ کا کیا ہوگا جو اسی کلیے کے تحت وجود میں آئے ہیں اور اردو نثر میں خوب استعمال ہوتے ہیں مثلاً بالفرض، بالاستیعاب وغیرہ۔

ٹیکنولوجی کی آسانی

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ املا کی یکسانیت کو کیسے رائج کیا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں ستّر کی دہائی کے مقابلے آج جب کہ کمپیوٹر ہمارے زمانے میں رائج ہے، املا کی درستی یا یکسانی کا کام مقابلتاً آسان ہو گیا ہے اور وہ اس لیے کہ پہلے کی طرح اب کتابت نہیں ہوتی۔ پہلے کاتب ہاتھ سے لکھتا تھا اور جس کاتب کے ذہن میں جو لفظ جس طرح موجود ہوتا تھا وہ اسی طرح لکھتا تھا۔ پنجاب کا کاتب کسی اور طرح لکھتا تھا، لکھنؤ کا کاتب کسی اور طرح لکھتا تھا اور دلّی کا کسی اور طرح لکھتا تھا۔ اب چوں کہ ہمارے بیچ میں ایک کمپیوٹر، ایک سوفٹ ویئر کامن ہے۔ سوفٹ ویئر میں جس لفظ کو ہم جس طرح فیڈ کر دیں گے وہ اسٹینڈرڈ یا معیاری ہو جائے گا۔ یعنی ماہرینِ زبان پہلے کچھ الفاظ یا الفاظ کے ایک مکمل سیٹ پر اتفاق کر لیں کہ ان کا املا بدلا جانا چاہیے اور اس طرح لکھنا مناسب ہوگا، پھر وہ کمپیوٹر میں اسی طرح فیڈ کیا جائے۔

اردو میں اس وقت تین طرح کے سوفٹ ویئر کام کر رہے ہیں۔ ایک: گوگل کا یونی کوڈ، دوسرا: مائیکروسوفٹ ورڈ اور تیسرا: اِن پیج کا پیج میکر (ہندستان کی حد تک! پاکستان میں یہ دوسرے نام سے رائج ہے)۔ یونی کوڈ اور مائکروسوفٹ ورڈ عام کمپیوٹری یا موبائل استعمال کے لیے ہیں اور یہ کمپیوٹر اور موبائل کا حصہ ہوتے ہیں۔ جب کہ پروفیشنل کاموں کے لیے اِن پیج سوفٹ ویئر کا استعمال ہوتا ہے، جو صرف کمپیوٹر میں لوڈ کیا جا سکتا ہے۔ اِن پیج کا سوفٹ ویئر کسی کی ملکیت ہے اور قیمتاً اتنا مہنگا ہے کہ بعض پروفیشنل ادارے بھی خریدتے نہیں بلکہ پائیریسی کے ذریعے حاصل کر لیتے ہیں۔ بڑے اردو اخبارات اور اداروں کو چھوڑ کر بیش از بیش پائیریسی سے حاصل شدہ سوفٹ ویئر ہی اس وقت استعمال میں ہیں۔ کمپیوٹر کی دنیا بہت متحرک ہے۔ یہاں ایزاد و اضافے کا سلسلہ جاری ہے۔ پچھلے تقریباً پینتیس برسوں میں اِن پیج سوفٹ ویئر میں بھی لگاتار تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ لیکن چوری سے حاصل کیے گئے سوفٹ ویئر خودکار طریقے سے اپڈیٹ نہیں ہو سکتے۔ چناں چہ ہر نیا ورژن تبھی عام استعمال میں آتا ہے جب اس کا لوک توڑنے یعنی پائیریسی میں کامیابی مل جاتی ہے۔ میرے علم کے مطابق جو حالیہ ورژن ہے وہ اس لیے استعمال میں نہیں آ سکا ہے کیوں کہ وہ عام صارفین کی 'دسترس' میں نہیں ہے اور نئے ورژن کی فائل پرانے ورژن میں نہیں کھلتیں۔ نتیجہ یہ کہ کسی نے اگر نیا ورژن خرید لیا ہے تو بھی وہ اسے استعمال نہ کرنے پر مجبور ہے۔ اس طرح ٹیکنولوجی کی ترقی کا فائدہ اسی کو نہیں مل پا رہا جس کے لیے ٹیکنولوجی میں ترقی ہوئی۔ یعنی ایک عجیب سی صورتِ حال ہے اور وہ صرف اس لیے کہ سوفٹ ویئر بے قیمت دستیاب نہیں ہے۔

تو یہ ممکن ہے کہ اِن پیج سوفٹ ویئر جس کی ملکیت ہے اس سے حقوق خرید کر کے اور اس میں ایسی تبدیلی کی جائے کہ ایک تو یہ ہے کہ اِملا طے ہو جائے؛ اور دوسرا یہ ہے کہ دو الفاظ کے بیچ میں انگریزی ہندی کی طرح واضح فاصلے کا نظام بھی قائم کر دیا جائے۔ یہ تبھی ممکن ہے جب سوفٹ ویئر کو یا کمپیوٹر کو یہ معلوم ہو کہ یہ لفظ یہاں پر مکمل ہو گیا۔ بلکہ اس طرح سے ممکن ہے کہ جملے کی ساخت بھی درست ہو جائے گی۔ یعنی آج کل جس تکنیکی اصول پر انگریزی میں لفظ اور جملے لکھے جاتے ہیں اس طرح سے اگر کیا جائے تو تعجب نہیں کہ نہ صرف اِملا کا مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ اعراب اور اضافتوں کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

اس طرح سے ہمارے لیے جو سب سے اہم چیز ہے کہ ہندستان اور پاکستان دونوں کے ذمہ دار ادارے۔ پاکستان کی مقتدرہ قومی زبان، انجمن ترقی اردو اور ہندستان میں انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو کونسل اور اردو اکادمیاں، یہ سب مل کے ایک مشترکہ کوشش کریں اور یہ جو اردو سوفٹ ویئر بنانے والی کمپنی ہے اس سے اگر ہو سکے تو کاپی رائٹ خریدیں یا اسے ٹیکنولوجی فراہم کرانے کے لیے مالی تعاون کریں تا کہ وہ ضروری اصلاحات کریں۔ اس کے بعد اسی سوفٹ ویئر کو مفت فراہم کیا جائے جیسے انگریزی کے سوفٹ ویئر مفت ہیں اور ہر ایک کی دسترس میں ہیں۔ آئندہ املا کی یکسانیت تبھی ممکن ہے۔

(بقیہ صفحہ 7 پر)

ناظمِ انصاری ایک منفرد مزاحیہ شاعر

محمّد اسداللہ

عام آدمی دنیا بھر کی الجھنوں، فکروں اور پریشانیوں سے چند لمحے خود فراموشی کے ڈھونڈتا رہتا ہے۔ ظالم سماج کے جبر اور زیادتی کو جھیلنے کے سوا وہ کچھ نہیں کر پاتا۔ مزاحیہ شاعرا سے اسی سماجی یا سیاسی نظام پر ہنسنے کے مواقع فراہم کرتا ہے، اس کی دل کی بھڑاس نکالنے کا وسیلہ عطا کرتا ہے یہی کتھارسس مزاحیہ شاعری کو عوام میں مقبولیت سے ہمکنار کرتی ہے، جیسے سوکھی گھاس کو آگ پکڑ لیتی ہے۔ ان دنوں ٹی وی پر ہنسانے والے سیریل اور پروگرام اس کا ثبوت ہیں۔

شہر ناگپور کے شعرا میں طنز و مزاح کو جن شعرا نے وسیلۂ اظہار بنایا ان میں ناظم انصاری، جملوا انصاری اور جلیل ساز (منہ پھٹ ناگپوری)، جھاپڑ مسعود خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہندستان بھر کے مشاعروں میں شرکت اور مزاحیہ ادب کے مقبول ترجمان ماہنامہ 'شگوفہ حیدرآباد' میں کلام کی اشاعت کے ذریعے اس علاقے کے جن لوگوں نے نام کمایا، ان میں ناظم انصاری کو سرِ فہرست رکھا جا سکتا ہے۔ شہر حیدرآباد اور لاہور کی زندہ دلی اردو ظرافت میں اپنے نقوش ثبت کر چکی ہے۔

آزادی کے بعد ودربھ میں بھی نثر اور نظم ہر دو اصناف میں کئی قلمکار ابھرے جنھوں نے اردو کے مزاحیہ ادب میں اپنی پہچان بنائی۔ ناظم انصاری مشاعروں کے وسیلے سے وسطِ ہند کے ایک مشہور شاعر کی حیثیت سے جانے گئے۔ ان کی شاعری میں ہلکی ہلکی رومانیت، دلوں کو گدگدانے والی کیفیت، پُرلطف موضوعات، حالاتِ حاضرہ کو رنگین عینک اور ترچھی نظروں سے دیکھ کر فقرہ کسنے کا نرالا انداز ہے، فقرہ کسنے کے لیے ہزل سے زیادہ موزوں پیمانہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ انگریزی الفاظ کا چٹخارہ، ان تمام لوازمات نے ناظم انصاری کی ہزلیات کو قبولِ عام عطا کیا۔ ناظم انصاری ہندستان بھر میں دور دراز کے مشاعروں میں بلائے جاتے تھے، ان کی شاعری اور مشاعروں کا یہ سفر تا دمِ آخر برقرار رہا بلکہ بالآخر سفرِ آخرت کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اگست 1985 میں دہلی کے کُل ہند مشاعرے میں شرکت کے بعد ناگپور واپسی کے سفر میں، ٹرین میں ہی جب وہ آرام فرما رہے تھے، نہ جانے کب اپنی آخری آرام گاہ کی طرف چل بسے۔

ناظم انصاری 21 جنوری 1929 کو ناگپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدِّ امجد شیخ دھنّی جن کا آبائی وطن بازار ارسیا (ضلع جون پور) تھا۔ 1880 میں کامٹی آ کر سکونت اختیار کی اور رخت سازی کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا۔ ناظم انصاری کے چار بھائیوں میں مومن پورہ ناگپور میں واقع حنیف بک ڈپو کے مالک محمّد حنیف مرحوم اور مشہور ہزل گو شاعر جمال الدین جملوا انصاری بھی ہیں۔

ناظم انصاری نے بچپن میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا، ان کی تعلیم کا سلسلہ چوتھی جماعت سے آگے قائم نہ رہ سکا۔ ان کے بڑے بھائی محمّد حنیف نے انھیں اپنے کاروبار میں شریک کر لیا۔ بعد میں ناظم انصاری نے اکولہ میں ایک بک ڈپو قائم کیا تھا لیکن والد صاحب کی علالت کی وجہ سے اسے بند کر دینا پڑا۔ ناگپور میں ایک ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان چلانے کی ناکام کوشش کی اور آخرکار ایک پرنٹنگ پریس قائم کیا جو ان کا مستقل ذریعۂ روزگار رہا۔

ناظم انصاری جہاں ایک اچّھے شاعر تھے وہیں فٹ بال کے اچھے کھلاڑی، سرگرم سوشل ورکر، خوش الحان موذّن، شرع کے پابند اور دردمند دل کے مالک، نیک انسان تھے۔ تصویر میں ان کے چہرے پر صلح کے انوار، آنکھوں میں ذہانت کی چمک نمایاں ہے۔ ڈاکٹر شرف الدّین ساحل کے بیان کے مطابق: حنیف بک ڈپو میں ہمیشہ رہنے کی وجہ سے ان کو ادبی کتابوں کے مطالعے کا خوب موقع ملا اور ان کی طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل ہوئی۔ انھوں نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی۔ بعد میں مزاحیہ شاعری کرنے لگے۔ ان کے مجموعے 'گوبھی کے پھول' کے مطالعے کے بعد اس حقیقت کو ماننا پڑتا ہے کہ اس کا نصف حصّہ عشقیہ خیالات سے پُر ہے۔ ناظم انصاری کی ہزلیات میں کم عمری کے عشق کا مذاق اور معاملاتِ عشق میں پیش آنے والی مضحکہ خیز صورتِ حال کی عکاسی ملتی ہے۔ اس میں کہیں کہیں ہلکی سی غم کی جھلک بھی صاف نظر آتی ہے لیکن مجموعی طور پر لطف اندوزی کا پہلو نمایاں ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

دیوانہ اس نے کر دیا اک بار دیکھ کر
ہم کر سکے نہ کچھ بھی لگا تار دیکھ کر
عینک لگائے رہتا ہوں رنگین اس لیے
چندھیا نہ جائے آنکھ رخِ یار دیکھ کر

ابھی سے آپ کی نظریں جھکی جھکی کیوں ہیں
ابھی تو عمر ہے تیرِ نظر چلانے کی

اسی پر سے اندازہ تم سب لگاؤ ہماری محبّت ہے کتنی پرانی
اِدھر آنکھ پر ہو گیا ہے اضافہ، اُدھر بال ٹیکنی کلر ہو گئے ہیں

دیوانے تیرے بھڑ گئے تبلیغ میں جا کر
اب آ کے لبِ بام کھڑا کس کے لیے ہے

ان اشعار میں شاعر نے ظرافت کا پہلو تھامے ہوئے روایتی عشق کو نئے انداز سے برتا ہے:

حاصل جو ہوئی مجھ کو جاگیر تیرے غم کی
ٹاٹا نظر آتا ہوں برلا نظر آتا ہوں

دردِ دل کی چارہ جوئی کے لیے آتے نہ کیوں
تیری بزمِ ناز کو دارالشفاء سمجھے تھے ہم

اسی عشق میں شاعر کا سب سے بڑا ہدف محبوب کے والدِ محترم ہیں جنھیں جا بجا نشانۂ طنز بنایا گیا ہے۔ ان اشعار میں والد کے محبوب کا سراپا اور محبوب کی بے بسی فنکارانہ انداز میں نمایاں ہے۔

(2)

دیکھ کر تیرے پتا جی کا جلالی چہرہ
پہلوانوں کے کلیجے بھی دہل جاتے ہیں

واقف ہوں ترے باپ کی فطرت سے بخوبی
گلیوں میں تری پہرہ لگا کس کے لیے ہے

ہاتھ کی پاؤں کی سر کی یاد آ گئی
مجھ کو جب تیرے فادر کی یاد آ گئی

کرم فرما رہے ہیں آج کل پھر گرم جوشی سے
تیرے ڈیڈی کا پھر کچھ آئیڈیا معلوم ہوتا ہے
میں تیرے ساتھ تیرے باپ کو بھی خوش رکھوں
میری بساط سے باہر دکھائی دیتا ہے

ناظم انصاری کی مزاحیہ شاعری میں دو موضوعات اہم ہیں بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شعری اولیت کا بڑا حصّہ ان ہی کا طواف کرتا ہے۔ اس کے شعری سفر کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ محبوب سے بیگم بننے تک کے اس سفر میں جہاں محبوب سے متعلق اشعار میں رومانی فضا کو مزاحیہ انداز میں بیان کیا گیا ہے وہیں بیگم کے حوالے سے ازدواجی زندگی کی تلخیاں اور حقائق طنز نگار کے نشانے پر ہیں۔

بیگم کی خواہشات ارے باپ کیا کروں
مانگے ہے کائنات ارے باپ کیا کروں

کشتی کے بادبان مجھے یاد آ گئے
بیگم تمھاری نو گزی شلوار دیکھ کر

ڈاڑھی کا ایک بال بھی باقی نہیں رہا
بیگم یہ کیا ملا دیا تم نے خضاب میں

اسے بھی بیچ کے کھالیں گے ایک دن بیگم
تمھارے میکے کا جو پاندان باقی ہے

'گوبھی کے پھول' کی ہزلیات میں عصری زندگی کی ناہمواریاں اور انسانی فطرت کے کمزور پہلو بھی پُرلطف انداز میں اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ ان ناانصافیوں اور ظلم و زیادتیوں کی خلش صاف طور پر محسوس ہوتی ہے جو ہماری زندگی کا حصّہ بن چکے ہیں۔

دو چار خون کر بھی جو ڈالوں تو میرا کیا
چاچا میرے وکیل ہیں باوا مجسٹریٹ

یہ جامہ زیبی تمھاری ارے معاذ اللہ
تمھارا جسم تو کلیر دکھائی دیتا ہے

ننگِ تہذیب میں داخل تھا کبھی اے ناظم
آج فیشن میں گنا جاتا ہے عریاں ہونا

فیلڈ ہو کوئی کلر اپنا جمائے رکھیے
ٹانگ ٹوٹی ہی سہی پھر بھی اڑائے رکھیے

30، گلستان کالونی، نزد پانڈے، امرائی لانس، جعفر نگر، ناگپور-440013
E-mail: zarnigar2005@yahoo.com
Mobile: 9579591149

اردو دُنیا

انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کا جلسہ

رانچی (پریس ریلیز، 26 نومبر)۔ انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کے زیرِ اہتمام ہند پیڑھی واقع پام انٹرنیشنل اسکول میں اردو کو لے کر ایک ترغیبی پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ دسویں کلاس کے طلبہ و طالبات کو اردو بحیثیت مادری زبان انٹر، گریجویشن اور ایم اے میں تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی اور ان سے گزارش کی گئی کہ اپنی ثقافت و کلچر، زبان و ادب اور تہذیب و تمدن کو محفوظ رکھنا ہے تو اپنی مادری زبان سے بے اعتنائی نہ برتیں نیز اپنے گھروں میں اردو کی تعلیم کا رواج عام کریں۔

مرکزی نمائندہ انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ نے انجمن کے تاریخی پس منظر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ ہندستان کی سب سے پرانی لسانی تنظیم ہے جو زبان و ادب کے لیے کوشاں ہے۔ رانچی میں ہم لوگوں نے اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے گذشتہ دسمبر سے تحریک چلا رکھی ہے۔ وزیرِ اعلا کے علاوہ مختلف وزرا سے مل کر اردو اکادمی کی تشکیل، اردو ٹیچروں کی تقرری، اضلاع میں اردو سیل کا قیام، اردو اسکولوں کے اقلیتی کردار کی بحالی جیسے امور کو لے کر دباو بنایا گیا ہے۔

پام انٹرنیشنل اسکول میں انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کے بینر تلے اردو کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے آن دی اسپاٹ مضمون نویسی کا مقابلہ جاتی امتحان کرائے جانے کا فیصلہ لیا گیا۔ اول تا سوم آنے والے طلبہ و طالبات کو انجمن کی جانب سے انعامات سے نوازا جائے گا اور ان کے درمیان اردو کی کتابیں تقسیم کی جائیں گی۔

سماجی کارکن اور انجمن کے فعال رکن محمد ابوذر نے بھی خطاب کیا۔ اسکول کے پرنسپل عبدالرحمٰن نے بھی اردو کے فروغ کے لیے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

آئین ہمارے قانونی نظام کو سمجھنے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے: ڈاکٹر شمس اقبال

’موجودہ صورتِ حال میں اخوت کی اہمیت‘ کے موضوع پر مذاکرہ

نئی دہلی (پریس ریلیز، 26 نومبر)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے صدر دفتر میں ’موجودہ صورتِ حال میں اخوت کی اہمیت‘ کے عنوان سے مذاکرے کا انعقاد کیا گیا۔ افتتاحی تقریر کرتے ہوئے قومی کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے کہا کہ آئین ہمارے قانونی نظام کو سمجھنے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔ یومِ آئین اس لیے منایا جاتا ہے تاکہ ہمیں معلوم ہوسکے کہ ہمارے حقوق کیا کیا ہیں، آج کے اس مذاکرے کا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگ قانون اور آئین سے زیادہ سے زیادہ واقف ہوسکیں۔ خواجہ عبدالمنتقم نے کہا کہ ہمارا ہندستان ایک ایسا وسیع و عریض ملک ہے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور الگ الگ زبانیں بولنے والے صدیوں سے مل جل کر رہتے آئے ہیں، انھوں نے کہا کہ جہاں تک اخوت/ بھائی چارہ یا برادرانہ تعلقات کی بات ہے اس کی ضرورت کل بھی تھی، آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی، یہ ہماری ہزار سالہ ثقافت کا حصہ رہی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اسے ہمارے ملک کے آئین کی تمہید یعنی Preamble میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اخوت کا تصور ہمارے لیے کوئی نئی بات نہیں، ہمارا آئین ملک کے شہریوں کے الگ الگ رنگ و روپ کو تسلیم کرتا ہے لیکن ان کی جداگانہ حیثیت کے باوجود انھیں مساوی حقوق دیتا ہے۔ پروفیسر نزہت پروین خان (ڈپارٹمنٹ آف لیگل اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے اپنی گفتگو میں کہا کہ Preamble آئین کی روح ہے، اس کا ایک ایک لفظ ہمارے لیے رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اخوت ہندستان میں ایک آئینی قدر ہے، جس کا مقصد آزادی اور مساوات کے ساتھ ہم آہنگی اور اتحاد قائم کرنا ہے حالاں کہ بھائی چارے کا اصول جیسا کہ ہندستان کے آئین کی تمہید میں درج ہے اکثر انصاف، آزادی اور مساوات کی بنیادی اقدار میں سب سے کم زیرِ بحث لایا جاتا ہے، حالاں کہ اخوت کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر بھی اسی طرح بات کی جائے جس طرح دوسری اہم چیزوں پر بات کی جاتی ہے۔ پروفیسر ظفر محفوظ نعمانی (ڈپارٹمنٹ آف لا، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) نے آئین کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس موضوع پر بے حد اہم گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ آئین بنانے والے حضرات بڑے فقیہ تھے اور انھوں نے پوری کوشش کی کہ ہندستان کے لیے ایک ایسا جامع قانون تیار کیا جائے جس میں سب کے لیے یکساں مواقع ہوں، اس کے لیے ان حضرات نے دنیا کے تمام آئین کا بغور مطالعہ کیا اور جو چیز اچھی لگی اسے ہندستان کے آئین میں شامل کیا۔ اس پروگرام کا انعقاد یومِ آئین کے موقعے پر کیا گیا۔ ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی، اسسٹنٹ ڈائرکٹر (اکیڈمک) نے مہمانان کا تعارف کرایا اور شکریے کی رسم ادا کی۔ اس پروگرام میں کونسل کا پورا عملہ موجود رہا۔

دہلی اُردو اکادمی کے ملازمین کی تنخواہ جاری

باقی مسائل بھی حل کرنے کی یقین دھانی

نئی دہلی (16 نومبر)۔ دہلی اردو اکادمی کے ملازمین و اساتذہ کی تنخواہ، بزرگوں کی پنشن اور دیگر مسائل پر شائع ’انقلاب‘ کی خبر کے بعد اکادمی نے اپنے جواب میں کہا کہ ہمارا بجٹ آیا نہیں تھا، اس لیے یہ مسائل پیدا ہوئے، لیکن اب بجٹ آچکا ہے جس میں سے ہم نے اپنے تمام ملازمین کی تنخواہیں جاری کردی ہیں اور اب بزرگوں کی پنشن بھی جلد جاری کررہے ہیں، نیز پنشن میں ہم نے اضافہ بھی کردیا ہے۔ اب ہم اساتذہ کی تنخواہوں پر غور کررہے ہیں اور یہ مسئلہ بھی جلد حل ہوجائے گا۔

غورطلب ہے کہ روزنامہ ’انقلاب‘ نے نمایاں طور پر ان مسائل پر خبر شائع کی تھی جس کے بعد اکادمی حرکت میں آئی اور دعوا کیا جارہا ہے کہ ان میں سے بیش تر مسائل حل کردیے گئے ہیں۔ اکادمی کی گورننگ کونسل کے رکن شیخ علیم الدین اسعدی نے بتایا کہ ہمارے پاس بجٹ آچکا ہے اور ہم نے سب سے پہلے تمام ملازمین کی تنخواہیں جاری کردی ہیں۔ اس کے علاوہ جو پنشن رُکی ہوئی ہیں، اس کے لیے بھی کمیٹی میں طے ہوچکا ہے اور پنشن کی رقم میں اضافہ کردیا گیا ہے جو جلد ہی جاری کردی جائے گی۔ اس کے علاوہ اکادمی کے اساتذہ کا ڈیٹا ہم چیک کرا رہے ہیں۔ تاہم ہم نئے اساتذہ کی بھرتی بھی کریں گے اور ان کی تنخواہ ہم نے دس ہزار سے بڑھا کر 35 ہزار کردی ہے جو آج تک کسی نے نہیں کی۔ انھوں نے بتایا کہ ہم لوگ اکادمی کے ہر مسئلے پر سنجیدگی سے غور کررہے ہیں اور جو مسئلہ سامنے آتا ہے اسے فوراً حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے لیے اکادمی کے وائس چیئرمین پوری توجہ دے رہے ہیں نیز دہلی حکومت کے وزیر سوربھ بھاردواج کی جانب سے بھی پورا تعاون مل رہا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اکادمی کے اساتذہ کے تعلق سے کچھ غلط فہمیاں بھی ہوئیں اور غلط جانکاری دی گئی جس کی بھی جانچ کریں گے اور یہ مسئلہ بھی جلد حل کردیا جائے گا۔ (انقلاب۔ دہلی)

رزلٹ جاری کرنے کو لے کر اُردو ٹی ای ٹی اُمیدواروں کا مظاہرہ

پٹنہ (25 نومبر)۔ اُردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدوار رزلٹ کا انتظار کررہے ہیں لیکن ان اردو ٹی ای ٹی امیدواروں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہے۔ اردو بنگلہ ٹی ای ٹی سنگھ کے ریاستی صدر مفتی حسن رضا امجدی نے اس جدوجہد کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ہے کہ رزلٹ کے لیے پورے بہار میں دھرنے، ریلیاں، بھوک ہڑتال اور احتجاج و مظاہرے دس سالوں سے جاری ہے۔ کئی بار خود وزیرِ اعلا نے رزلٹ جاری کرنے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ اسمبلی میں درجنوں بار آوازیں اٹھائی گئیں، لیکن مسلم ایم ایل نے وزیرِ اعلا سے خود ملنے کی پہل نہیں کی۔ سارے مسئلے حل ہورہے ہیں صرف ایک اردو ٹی ای ٹی کا مسئلہ باقی رہ گیا ہے۔ آج پھر پورے بہار کے امیدواروں نے پٹنہ کی سڑکوں پر رزلٹ جاری کرنے کی مانگ کو لے کر مظاہرہ اور احتجاج کیا اور کہا کہ جب تک رزلٹ نہ جاری ہوجائے لیگل اوپینین اور محکمۂ تعلیم کا لیٹر ہی رزلٹ جاری کرنے کے لیے کافی ہے۔ حالاں کہ 2019 کا رزلٹ STET کا چھے سال کے بعد دوبارہ دیا گیا ہے مگر اردو ٹی ای ٹی امیدواروں کا مسئلہ ٹھنڈے بستے میں ہے۔ واضح ہو کہ یہ اردو ٹی ای ٹی کا مسئلہ 2013 سے چلا آرہا ہے۔ مفتی حسن رضا امجدی، محمد انعام الحق، عبدالواحد، محمد جمیل، مولانا مزمل، مولانا بقاءالدین اور حافظ امتیاز عالم (شیوہر) نے یہ بھی کہا کہ ہماری غلطی کیا ہے، آج پٹنہ میں اردو ٹی ای ٹی امیدواروں کا احتجاج جاری ہے اور کرو یا مرو کی آخری لڑائی چل رہی ہے، رزلٹ کے انتظار میں کئی بہنوں کی شادیاں ٹوٹ گئیں۔ کئی پڑھائی چھوڑ چکے ذہنی تناو کا شکار ہوچکے ہیں۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اردو کے مسائل کے حل کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی

ڈاکٹر محمد جنید ’اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن ہریانہ‘ کے صدر منتخب

پانی پت/ نوح (3 دسمبر)۔ میوات کے نوح میں واقع کستوربا گاندھی بالیکا ودیالیہ میں سینئر اردو لکچرار طاہر حسین کی صدارت میں منعقدہ میٹنگ میں ’اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن ہریانہ‘ کا انتخاب عمل میں آیا۔ ڈاکٹر محمد جنید (سینئر اردو لکچرار) کو اتفاقِ رائے سے ایسوسی ایشن کا صدر جب کہ اردو لکچرار پرکاش چند اور ڈاکٹر رائے سنگھ نائب صدور بنائے گئے۔ نوجوان اردو لکچرار راشد امین ندوی کو ایسوسی ایشن کا سکریٹری منتخب کیا گیا۔ گورنمنٹ سینئر سیکنڈری اسکول، دیولانگلی کے پرنسپل اصغر علی خان کو ’اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن ہریانہ‘ کا سرپرست بنایا گیا۔ اصغر علی خان اردو زبان و ادب کے ایک نامور استاد ہیں جنھوں نے طلبہ کی فلاح و بہبود کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ اس موقعے پر ’اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن ہریانہ‘ کے نومنتخب صدر ڈاکٹر محمد جنید نے کہا کہ اردو اساتذہ کے مسائل کے حل کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کریں گے۔ خاص طور پر امتحانات کے وقت اردو زبان میں سوال نامے اور دوسرے کئی مسائل ہیں جن کے بارے میں جلد ہی متعلقہ افسران سے ملاقات کر کے بات چیت کی جائے گی۔ اردو زبان کے تعلق سے طلبہ و طالبات کی دل چسپی پیدا کرنے کے لیے روزگار کے بارے میں بھی بتایا جائے گا، جہاں پر اردو اساتذہ نہیں ہیں، طلبہ کی حسبِ خواہش وہاں کسی بھی طرح سے اردو اساتذہ کا انتظام کیا جائے گا۔ شرکا میں اردو لکچرار ڈاکٹر محمد صابر، طاہر حسین، سروج یادو، ترانہ خان، راشدہ طیب، رائے سنگھ، پرکاش چند، حسن محمد، زبیر خان، عمر حیات اور پرنسپل اصغر علی خان وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ (راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

زاہد علی خاں کو وزیرِ اعلا نے مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ پیش کیا

سیّد آصف پاشاہ، غلام یزدانی، لکشمی دیوی راج اور پروفیسر نسیم الدین فریس کو بھی انعامات سے نوازا گیا

حیدرآباد (11 نومبر)۔ جناب زاہد علی خاں (ایڈیٹر روزنامہ 'سیاست') کو وزیرِ اعلا اے ریونت ریڈی نے تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈمی کی جانب سے دیے جانے والے 'مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ' برائے سال 2022 پیش کیا اور ان کی شال پوشی کی گئی۔ حکومتِ تلنگانہ کے محکمۂ اقلیتی بہبود کی جانب سے منعقدہ 'یومِ تعلیم و یومِ اقلیتی بہبود' کے موقعے پر مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ برائے سال 2019 سابق وزیرِ قانون جناب سیّد آصف پاشاہ کو ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں دیا گیا جب کہ سال 2020 کا ایوارڈ جناب غلام یزدانی ایڈوکیٹ کو فروغِ اردو کے لیے پیش کیا گیا۔ 2021 کا ایوارڈ محترمہ لکشمی دیوی راج کو ان کی ثقافتی خدمات کے عوض پیش کیا گیا۔ سال 2022 کا ابوالکلام آزاد ایوارڈ جناب زاہد علی خاں (ایڈیٹر روزنامہ 'سیاست') کو ان کی ملّی، صحافتی اور اردو کی خدمت کے عوض پیش کیا گیا اور جناب سیّد امین الحسن جعفری کو سال 2023 کا مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ ان کی صحافتی خدمات پر دیا گیا۔ سال 2024 کا 'مخدوم ایوارڈ' پروفیسر محمد نسیم الدین فریس کو ان کی تحقیقی و تنقیدی خدمات پر دیا گیا۔ وزیرِ اعلا مسٹر اے ریونت ریڈی نے تمام ایوارڈ یافتگان کو ایوارڈز اور چیکس حوالے کرتے ہوئے انھیں مبارک باد پیش کی۔ اس ایوارڈ تقریب میں ریاستی وزیرِ ٹرانسپورٹ و انچارج وزیر شہر حیدرآباد مسٹر پونم پربھاکر، رکن راجیہ سبھا مسٹر انل کمار یادو، ارکان قانون ساز کونسل جناب عامر علی خاں، جناب مرزا رحمت بیگ، صدر نشیں تلنگانہ ریاستی وقف بورڈ جناب سیّد عظمت اللہ حسینی، صدر نشیں تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈمی جناب طاہر ابن حمدان، صدر نشیں تلنگانہ ریاستی اقلیتی مالیاتی کارپوریشن جناب عبیداللہ کوتوال، نائب صدر ٹمریز جناب محمد فہیم قریشی، صدر نشیں تلنگانہ ریاستی اقلیتی کمیشن جناب طارق انصاری، مشیر حکومتِ تلنگانہ برائے ایس سی، ایس ٹی، او بی سی اور اقلیتی طبقات جناب محمد علی شبیر، سابق رکن راجیہ سبھا مسٹر وی ہنمنت راؤ کے علاوہ دیگر اہم شخصیات موجود تھیں۔ تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈمی کی جانب سے کارنامۂ حیات ایوارڈ برائے سال 2021، 2022 اور 2023 بھی دیے گئے جو کہ مختلف زمروں میں عطا کیے گئے ہیں۔ کارنامۂ حیات ایوارڈ برائے سال 2021 میں مسٹر انجنی کمار گوئل کو امجد حیدرآبادی ایوارڈ، جناب طیب پاشاہ قادری کو سعید شہیدی ایوارڈ، محترمہ ثریا جبیں کو آغا حیدر حسن ایوارڈ، ڈاکٹر اطہر سلطانہ کو پروفیسر حبیب الرحمٰن ایوارڈ، جناب احمد علی خاں کو محبوب حسین جگر ایوارڈ کے علاوہ شیخ احمد کو سرینواس لاہوٹی ایوارڈ پیش کیا گیا۔ اسی طرح سال 2022 کے کارنامۂ حیات ایوارڈ میں جناب محمد معین امر بمبو کو امجد حیدرآبادی ایوارڈ، محترمہ الزبیتھ کورین کو سعید شہیدی ایوارڈ، جناب محمد عبدالحمید عادل کو آغا حیدر حسن ایوارڈ، جناب محمد عبدالقادر کو محی الدین قادری زور ایوارڈ، جناب محمد جاوید علی کو محبوب حسین جگر ایوارڈ، محترمہ چاند بی بی کو پروفیسر حبیب الرحمٰن ایوارڈ کے علاوہ جناب محمد رفیع الدین کو سرینواس لاہوٹی ایوارڈ دیا گیا۔ کارنامۂ حیات ایوارڈ برائے سال 2023 میں جناب محبوب شریف المعروف بہ اطیب اعجاز کو امجد حیدرآبادی ایوارڈ، جناب محمد محبوب خاں المعروف بہ افسر عثمانی کو سعید شہیدی ایوارڈ، جناب محمد عبدالقدوس کو آغا حیدر حسن ایوارڈ، ڈاکٹر محمد عبدالقوی کو ڈاکٹر محی الدین قادری زور ایوارڈ، جناب محمد محبوب کو پروفیسر حبیب الرحمٰن ایوارڈ، محترمہ رفیعہ نوشین کو سرینواس لاہوٹی ایوارڈ کے علاوہ جناب محمد عبدالرفیق المعروف بہ رفیق شاہی کو محبوب حسین جگر ایوارڈ پیش کیا گیا۔ اس ایوارڈ تقریب سے وزیرِ اعلا ریونت ریڈی، ریاستی وزیر مسٹر پونم پربھاکر، مشیر برائے حکومتِ تلنگانہ ایس سی، ایس ٹی، بی سی اور اقلیتی طبقات جناب محمد علی شبیر، صدر نشیں تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈمی جناب طاہر بن حمدان اور نائب صدر ٹمریز جناب محمد فہیم قریشی نے مخاطب کیا جب کہ اسپیشل سکریٹری تلنگانہ محکمۂ اقلیتی بہبود جناب تفسیر اقبال نے خیر مقدم کیا۔ بھارت رتن مولانا ابوالکلام آزاد کی یومِ پیدائش کے موقعے پر منعقدہ ریاستی حکومت کے یومِ تعلیم و یومِ اقلیتی بہبود کے موقعے پر ٹمریز میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے پروفیشنل کورسس میں مفت سیٹیں حاصل کرنے والے 51 طلبہ و طالبات کو بھی تہنیت پیش کی گئی جن میں 32 طلبہ نے ایم بی بی ایس کی سیٹیں حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے جب کہ پانچ طلبہ بی ڈی ایس میں داخلہ حاصل کرنے میں کامیاب رہے اور ایک طالبِ علم کو پی ایچ ایم ایس میں داخلہ حاصل ہوا۔ 8 طلبہ جو آئی آئی ٹی، این آئی ٹی اور ٹریپل آئی ٹی میں داخلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں، ان کے علاوہ پانچ طلبہ انجینئرنگ کے مختلف گوشوں میں داخلہ حاصل کر چکے ہیں، انھیں بھی تہنیت پیش کی گئی۔ (سیاست۔حیدرآباد)

وزیرِ اعلا اردو ٹی ای ٹی کے مسائل پر ہمدردانہ غور کریں

پٹنہ (29 نومبر)۔ بہار کے امیدوار اپنے مطالبات کو لے کر پٹنہ میں مظاہرہ کر رہے ہیں اور اپنے درد کو لے کر لیڈران سے ملاقات کر رہے ہیں۔ اردو بنگلہ اسپیشل ٹی ای ٹی کے ریاستی صدر مفتی حسن رضا امجدی نے کہا کہ وزیرِ اعلا سب کا کام کر رہے ہیں، اگر کوئی باقی ہے تو وہ اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدواروں کا رزلٹ ہے، ہمیں مسلم لیڈران اور وزیرِ اعلا نتیش کمار سے امید ہے کہ وہ یہ کام بھی ضرور کریں گے۔ پٹنہ میں پورے بہار کے امیدوار مختلف لیڈران سے رزلٹ جاری کرنے اور انصاف کرنے کی گہار لگا رہے ہیں۔ واضح ہو کہ اردو ٹی ای ٹی کا مسئلہ لسانی اقلیت کا بڑا مسئلہ ہے، اگر یہ کام حکومت کر دیتی ہے تو پورے بہار میں ایک خوشگوار ماحول پیدا ہو جائے گا۔ یقین ہے کہ وزیرِ اعلا اردو ٹی ای ٹی کے مسئلے پر ہمدردانہ غور کریں گے۔ محکمۂ تعلیم کی تنگ نظری کی وجہ سے یہ کام رُکا ہوا ہے ہمیں امید ہے کہ اگر یہ بات وزیرِ اعلا تک پہنچے گی تو وہ ضرور اس کام کو پورا کریں گے۔ آج ایم ایل اے اظہار اسفی، ایم ایل اے سیّد رکن الدین، ایم ایل اے اظہارالحسین، ایم ایل اے اختر الایمان، ایم ایل سی خالد انور و دیگر لیڈران سے ملاقات و بات چیت کا سلسلہ جاری ہے۔ ان تمام لیڈران نے اپنے اپنے پارٹی کے اعلا عہدیداران سے بات کرنے اور وزیرِ اعلا تک بات پہنچانے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ مفتی حسن رضا امجدی نے یہ بھی کہا کہ دس سالوں سے دھرنا، ریلی، مظاہرہ، گھیراو اور بھوک ہڑتال پورے بہار میں جاری ہے۔ محکمۂ تعلیم نے رزلٹ جاری کرنے کے لیے لیگل اوپینین اور لیٹر بھی جاری کیا ہے۔ گاہے بہ گاہے وزیرِ اعلا نے رزلٹ جاری کرنے کی یقین دہانی بھی کرائی لیکن دس سالوں میں ابھی تک رزلٹ کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔ آج اسمبلی میں اردو ٹی ای ٹی رزلٹ پر آواز اٹھی، امید ہے کہ ضرور کوئی راستہ نکلے گا۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

اردو مدارس کی ترقی پر توجہ دی جائے

گلبرگہ (2 دسمبر)۔ محبِّ اُردو اور سماجی کارکن جناب خواجہ فرید الدین انعامدار نے کرناٹک اردو اکیڈمی کے رجسٹرار اور چیئرمین سے درخواست کی ہے کہ اگر ہم تمام اردو زبان کی ترقی چاہتے ہیں تو ہمیں مشاعروں پر توجہ کم کرنی ہوگی اور اردو مدارس کی بقا اور ترقی پر زور دینا ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ مشاعرہ سننے والے 80 فیصد لوگ مشاعروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جب کہ صرف بیس فیصد لوگ ہی اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں، لہٰذا میری تجویز ہے کہ اردو میڈیم کے طلبہ و طالبات جو اردو میڈیم مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اُنھیں وظیفے جاری کر کے ان کی ہمت افزائی کی جانی چاہیے۔ (سیاست۔حیدرآباد)

میں چہرے اور آوازیں تلاش کرتا رہتا ہوں–مظفر علی

قومی اردو کونسل کے زیرِ اہتمام مظفر علی سے ملاقات اور شام غزل/صوفیانہ کلام پروگرام کا انعقاد

لکھنؤ (پریس ریلیز، 16 نومبر)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے زیرِ اہتمام گومتی ریور فرنٹ پارک لکھنؤ میں مظفر علی سے ملاقات اور شامِ غزل/صوفیانہ کلام کے نام سے پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقعے پر مشہور فلم ساز مظفر علی نے کہا کہ اودھ کی جو پہچان گم ہوتی جارہی تھی ہم نے اس کی پہچان بحال کرنے کی کوشش کی، ادب اور فلم کا مقصد احساس کو جگائے رکھنا ہے، ہمیں اپنے آپ کو آنے والے کل کا باشندہ بنانا چاہیے، فنکار کو احترام سے دیکھنا چاہیے۔ انھوں نے مزید کہا کہ کلا کے لیے ریسرچ سب سے بڑی چیز ہے، پینٹنگ میری غذا ہے، فرس نامہ میرا شوق ہے، ویژیول لنگویج سے ہم دور نہیں ہو سکتے، انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہر وقت میرے ذہن میں فلم گھومتی رہتی ہے، میں آوازیں اور چہرے تلاش کرتا رہتا ہوں کہ چہرے میں بڑی طاقت ہوتی ہے، میرے نزدیک فلم سازی بہت اہم سفر ہے فلم بنانا ترک نہیں کرنا چاہیے، ہر کلاکار میرے لیے بہت بڑا فنکار ہے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر شمس اقبال (ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان) نے خیر مقدمی کلمات کہے اور مظفر علی کے فن کارانہ شخصیت اور فلمی سفر پر بھی روشنی ڈالی جب کہ نظامت کے فرائض ڈاکٹر منتظر قائمی نے بہ حسن و خوبی انجام دیے۔ اس کے بعد شامِ غزل/صوفیانہ کلام کا اہتمام کیا گیا جس میں مشہور غزل اور صوفی سنگر محترمہ اندرا نائک نے اپنی گائیکی سے سامعین کو محظوظ کیا۔

تلنگانہ اردو اکیڈمی کی جانب سے اُردو خبر رساں اداروں کو مالی اعانت

حیدرآباد (26 نومبر)۔ تلنگانہ اردو اکیڈمی کی اردو خبر رساں اداروں کی مالی اعانت اسکیم کے تحت ریاست تلنگانہ کے اردو خبر رساں اداروں کی مالی اعانت برائے 2023 درخواستیں طلب کی جارہی ہیں۔ جناب طاہر بن حمدان (صدر تلنگانہ اردو اکیڈمی) نے اپنے صحافتی بیان میں ریاست تلنگانہ کے اردو خبر رساں اداروں سے خواہش کی ہے کہ اس اسکیم کے تحت سال 2023-24 کی مالی اعانت کے لیے امیدوار اپنی درخواست کے ساتھ آدھار کارڈ کی زیروکس، نیوز ایجنسی کی رجسٹریشن کی موجودہ سال کی رینول کاپی، سیاست، منصف، سہارا، اعتماد، رہنمائے دکن اور سازِ دکن اخبارات کے سال بھر کی 30 کٹنگس، نیوز ایجنسی کے بینک اکاؤنٹ کی زیروکس 31 دسمبر 2024 تک بنام ڈائرکٹر/سکریٹری تلنانہ اردو اکیڈمی، چوتھی منزل، حج ہاؤس، ناپملی، حیدرآباد بذریعۂ پوسٹ یا بالمشافہ داخل کر سکتے ہیں۔ (سیاست۔حیدرآباد)

سیر المنازل
(مرزا سنگین بیگ)
شریف حسین قاسمی
قیمت: 600 روپے

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : اُردو افسانہ غضنفر کی نگاہ میں
مرتبہ : ڈاکٹر صابرہ خاتون
ضخامت : 330 صفحات
قیمت : 350 روپے
ناشر : عبارت پبلی کیشن، غالب کالونی، راجہ بندھ، رانی گنج، مغربی بردوان، کولکاتا-713347
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر

E-mail: ibraheem.sewal@gmail.com

پروفیسر غضنفر بیک وقت ماہرِ تعلیم، فکشن نگار، فکشن ناقد، شاعر، مقرر، منتظم اور ہر دل عزیز اُستاد ہیں۔ انھوں نے ادب کی بیش تر اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ قاری اگر ایک بار اُن کی تحریروں کو پڑھنا شروع کر دے تو اسے ختم کر کے ہی دم لے۔ تحریر کی ایسی سحر انگیزی اور لطف اندوزی خال خال ادیبوں کے حصے میں آتی ہے۔ ان کی صاف ستھری زبان، تنقید کا پختہ شعور، وسعتِ مطالعہ اور جہاں دیدہ نظریہ انھیں دوسرے قلم کاروں اور فن کاروں سے منفرد بناتی ہے۔ ان کا اسلوب اتنا رواں دواں اور دل کش ہے کہ لفظوں کا دفتر قارئین کے سامنے بیک وقت کھُل جاتا ہے۔ ان کی فکشن تنقید پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ ہم نثر میں نظم کا لطف لے رہے ہیں۔ انھیں قاری کی نفسیات اور مزاج پر مکمل دسترس ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں غضنفر کی مذکورہ بالا صفات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں ایسے فکشن مضامین اور تجزیے شامل ہیں جنھیں غضنفر نے سوشل میڈیا اور دیگر فکشن گروپوں میں پیش کیا تھا۔

ڈاکٹر صابرہ خاتون نے زیرِ تبصرہ کتاب 'اُردو افسانہ غضنفر کی نگاہ میں' میں غضنفر کی فکشن شناسی کے تعلق سے لکھے گئے مضامین کو یکجا کیا ہے۔ اس سے قبل موصوفہ کی کئی کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں جن میں سنگِ میل، حرفِ احتساب، اظہار الاسلام: حیات اور فن، نذیر احمد یوسفی: شخصیت اور فن، معروضاتِ قیصر وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔ موصوفہ فی الوقت ٹی ڈی بی کالج، رانی گنج (مغربی بنگال) کے شعبۂ اُردو میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر فائز ہیں۔ ڈاکٹر صابرہ خاتون نے زیرِ نظر کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں غضنفر کے سات مضامین شامل ہیں جن میں 'کہانی، افسانہ اور علامت'، 'کہانی کیسے بنتی ہے'، 'بڑوں اور بچوں کی کہانیاں'، 'چند افسانوی شکلوں کی شناخت'، 'تخلیقی زبان'، 'معاصر اُردو افسانہ' اور 'علی گڑھ فکشن کے شش رنگ' سرِفہرست ہیں۔ کتاب کے دوسرے حصے میں غضنفر کے معروف فکشن نگاروں کے 13 افسانوں پر تجزیے شامل کیے گئے ہیں۔ جن افسانوں پر غضنفر نے تجزیے کیے ان میں کفن، کالو بھنگی، ٹوبہ ٹیک سنگھ، پرندہ پکڑنے والی گاڑی، رونے کی آواز، گائے، پوٹریٹ ان بلیک اینڈ بلڈ، ریس کے گھوڑے، کووں سے ڈھکا آسمان، بانگ، بادِ صبا کا انتظار، ایک بیاباں، سانپوں کا بھید قابلِ ذکر ہیں۔ افسانہ 'سانپوں کا بھید' خود غضنفر کا لکھا ہوا افسانہ ہے۔ موصوف نے صدق دل سے اس کا بھی ویسا ہی تجزیہ کیا ہے جیسا کہ دوسرے افسانہ نگاروں کے افسانوں کا۔ ڈاکٹر صابرہ خاتون نے غضنفر کے تجزیوں کے ساتھ افسانوں کے اصل متن بھی قارئین کے سامنے پیش کر دیے ہیں۔

ڈاکٹر صابرہ خاتون نے اپنے مربوط و مبسوط مقدمے میں غضنفر کی فکشن شناسی پر ناقدانہ گفتگو کی ہے۔ انھوں نے اپنے مقدمے میں اس بات کی وضاحت کی کہ غضنفر کی تنقید میں بھاری بھرکم اور بوجھل اصطلاحات سے پرے بالکل ہلکے پھلکے انداز میں بنیادی نکات کو ذہن کے دریچے سے دل میں اُتار دینا ان کا کمال ہے۔ غضنفر جب فکشن پر تنقید کرتے ہیں تو وہ سب سے پہلے خود سے کلام کرتے ہیں اور اس کے بعد متن کی گرہوں کو آسانی کے ساتھ کھولتے ہیں۔ اس عمل کے لیے وہ استفہامیہ اندازِ بیان اختیار کرتے ہیں۔ مضمون 'کہانی افسانہ اور علامت' میں وہ کہانی کے بیانیہ اور اس کی اساس پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''جس سے آنکھیں پھیل جائیں، بھویں تن جائیں، کان کھڑے ہو جائیں، ماتھا ٹھنک جائے، دل میں صدائے سحر ساز کھنک جائے، دماغ میں 'پھر کیا ہوا پھر کیا ہوا؟' کی کیفیت اُبھر جائے اور ذہن آگے کا ماجرا سننے کے لیے بے تاب ہو جائے، وہ کہانی ہے۔ جسے سن کر جسم سے تمازت کی سوئیاں نکل جائیں، اذیت کے کانٹے گل جائیں، پژمردہ چہروں پر گلاب کھِل جائیں، ویران آنکھوں میں چراغ جل جائیں، زرد شاخیں پھیل جائیں، خشک سوتے اُبل جائیں۔ دل سے کدورتیں دُھل جائیں اور دماغ کے بند دروازے کھُل جائیں، وہ کہانی ہے۔'' (ص 38-37)

غضنفر، کہانی کے ہر لفظ پر بحث کرتے ہیں تا کہ وہ خود بھی مطمئن ہو جائیں اور قارئین کے اذہان کے تمام اشکال کا جواب دیا جا سکے۔ انھوں نے اپنے تجزیوں میں کہانی کی قرأت دل چسپ انداز میں کی ہے۔ استفہامیہ لہجے میں وہ ہر گتھی کو بہ آسانی سلجھا لیتے ہیں۔ کرشن چندر کے افسانے 'کالو بھنگی' کا تجزیہ کرتے ہوئے غضنفر نے اوم پرکاش بالمیکی کے اس نظریے کی تردید کی جس میں انھوں نے کہا تھا کہ دلت ادب لکھنے کے لیے دلت ہونا ضروری ہے۔ غضنفر نے 'کالو بھنگی' کے کردار اور کرشن چندر کے مکالموں اور منظر کشی سے اوم پرکاش بالمیکی کے نظریے کو غلط ثابت کیا۔ اس تجزیے میں حاشیائی کرداروں اور مرکزی کرداروں پر نئی بحث دیکھنے کو ملتی ہے۔

غضنفر نے سعادت حسن منٹو کے افسانہ 'ٹوبہ ٹیک سنگھ' کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ سعادت حسن منٹو نے دو رنگ میں افسانے لکھے۔ ایک رنگ وہ جس میں حسن خانے ہیں اور ان حسن خانوں کے نہاں خانوں کی تاریک سرنگوں میں چقماق رکھ دیے گئے ہیں ...اور دوسرا رنگ وہ ہے جس کی کہانیوں میں سیاسی مدبروں کی مکاری، معاشرتی عمروؤں کی عیاری، انسانوں کی بے بسی و زندگی سے بیزاری کی صورتیں نظر آتی ہیں۔ 'ٹوبہ ٹیک سنگھ' کا تعلق دوسرے قسم کے افسانوں سے ہے۔ غضنفر نے 'ٹوبہ ٹیک سنگھ' کی 'ٹ' کو بہ طور علامتی بیانیہ ثابت کرنے کے لیے اسے 'ٹناٹن' سے تعبیر کیا۔ ان کی نگاہ میں یہی 'ٹ' ملک کے مدبروں کی پول کھولنے کے لیے کافی ہے۔

غیاث احمد گدی کے مشہور افسانے 'پرندہ پکڑنے والی گاڑی' کے تجزیے میں انھوں نے گاڑیوں اور پرندوں کے تعلق سے بہت سے سوال قارئین کے سامنے پیش کیے۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ ذہن اس گاڑی کا مقصد جاننے کے کے لیے بے چین ہے۔ یہی گاڑی قاری کو پورے افسانے میں دم بہ خود کیے ہوئے ہے۔ الیاس احمد گدی نے اس گاڑی کا جو حلیہ پیش کیا ہے وہ کسی سحر انگیزی سے کم تر نہیں۔ غضنفر نے اپنے تجزیے میں لکھا کہ پرندہ پکڑنے والی گاڑی اپنے پہلے ہی پگ کی چاپ (آہٹ) سے سماعتوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ہم ریل گاڑی، گھوڑا گاڑی، بیل گاڑی، چھکڑا گاڑی، مال گاڑی وغیرہ کے نام سنتے آئے ہیں، مگر یہ کون سی گاڑی ہے جو انسانوں کو ڈھونے اور ان کو منزلوں تک پہنچانے کے بجائے پکڑنے کا کام کرتی ہے۔ غضنفر نے یہی استفہامیہ انداز پورے تجزیے میں اختیار کیا ہے۔ ان کا یہ انوکھا انداز اور سحر انگیز اسلوب قاری کو متن پر آنکھیں جمانے پر مجبور کرتا ہے۔

انور سجاد کا افسانہ 'گائے' میں غضنفر نے گائے کے کردار کی گرہیں جس انداز میں کھولی ہیں وہ ہمارے لیے سبق آموز تو ہے ہی ساتھ ہی عبرت ناک بھی ہے۔ ان کی نظر میں گائے ہمارے معاشرے میں ایک سیدھے سادے، مظلوم اور بے بس انسان کے لیے بہ طورِ تشبیہ استعارہ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن گائے خود ایک ایسا جانور ہے جو کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کی افادیت ہماری نظروں میں تب تک ہی ہے جب تک گائے ہمیں دودھ دیتی ہے۔ لیکن جیسے ہی اس نے دودھ دینا بند کیا تو اب یہ ہمارے معاشرے اور کسان کے لیے بوجھ بن جاتی ہے۔ اس افسانے کے تجزیے کے آخر میں غضنفر رقم طراز ہیں کہ گائے ایک ایسی کہانی ہے جسے پڑھتے وقت میری آنکھوں میں کئی ایسے مناظر اُبھر آئے جن کا تعلق ہمارے معاشرے، مذاہب اور ہماری معاشی بحران سے ہے اور ہر منظر میں ایک چابک کی آواز سنی اور سڑاک سڑاک کی ضرب اپنی پیٹھ پر بھی محسوس کی۔ درج بالا سطور کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ غضنفر کا جذباتی لگاؤ گائے سے ہے۔ ممکن ہے کہ انھوں نے انور سجاد کے افسانے کو دماغ سے نہیں دل سے پڑھا اور جذباتی رو میں بہہ کر وہ باتیں رقم کیں جن کا تعلق ہماری زندگی سے ہے۔

بہرکیف! غضنفر نے اپنے مضامین اور تجزیوں میں جس طرح کا اسلوب اختیار کیا اس کی مثال خال خال ہی نظر آتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ خود بھی فکشن لکھتے ہیں اور اس کی فنی باریکیوں سے بہ خوبی واقف ہیں۔ فکشن کی زبان اور اس کے رموزِ نکات پر ان کی دسترس ہی انھیں فکشن شناسی میں اعلا مقام عطا کرتی ہے۔ غضنفر فکشن کا جائزہ لیتے وقت صرف فکشن کو سامنے رکھتے ہیں۔ تخلیق کار کتنا ہی بڑا ہو اگر انھیں اس کے فکشن میں کہیں رتّی بھر بھی تشنگی محسوس ہوتی ہے تو وہ اسے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے بین السطور بیان کر دیتے ہیں، اس لیے ان کے تجزیوں میں سچی، کھری اور کڑوی باتیں ہوتی ہیں۔

بہرنوع! اس موقعے پر میں ڈاکٹر صابرہ خاتون کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے غضنفر کی فکشن شناسی کے حوالے سے ایک اہم کتاب کو مرتب کیا۔ موصوفہ نے اپنے بسیط مقدمے میں غضنفر کی فکشن تنقید کا تنقیدی جائزہ لیا۔ انھوں نے اس کتاب کو منظرِ عام پر لانے کا مقصد بھی اپنے مقدمے میں بیان کیا ہے۔ اس بارے میں وہ لکھتی ہیں کہ یہ مضامین جب میری نگاہ سے گزرے تو ان کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر میں نے انھیں کتابی شکل میں یکجا کرنے کی خواہش ظاہر کی جس پر ان [غضنفر] کی مہر نے مجھے بیک وقت خوشی بھی دی اور اعتبار بھی بخشا۔ ڈاکٹر صابرہ خاتون نے کتاب کا انتساب عاشقِ اُردو، محبِّ ادب اور بے حد دل نواز شخصیت ولی احمد خان (گجرات) کے نام کیا ہے۔ کتاب کی پشت پر پروفیسر شاہد اختر (سابق صدر شعبۂ اُردو ہگلی محسن کالج، مغربی بنگال) نے ڈاکٹر صابرہ خاتون کی زیرِ تبصرہ کتاب کی اہمیت وافادیت پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ غضنفر کی فکشن تنقید میں دل چسپی رکھنے والے قارئین کو احقر کا مشورہ ہے کہ وہ ایک بار زیرِ تبصرہ کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔ ◆◆

اُردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر

رؤف پاریکھ

قیمت: 300 روپے

بقیہ: اُردو املا کی بحث: چند معروضات

(بقیہ صفحہ 2 سے آگے)

کمپیوٹر میں اوٹو کریکشن کی بھی صورت ہوتی ہے۔ جس طرح سے انگریزی میں ہوتا ہے کہ وہ کسی لفظ کے غلط املا کو غلط دکھائے گا اس پر لال نشان لگائے گا، یہ ایک کام ہے۔ بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں زبان کی معیار بندی کے سلسلے میں ایک بہت بڑا کام جو اردو کے اداروں نے اب تک نہیں کیا ہے اور کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اردو سوفٹ ویئر میں صحیح اور غلط لفظ کی نشاندہی بھی اسی طرح سے ہو جائے جس طرح انگریزی میں ہوتی ہے۔ اگر یہ ایک بار طے ہو جائے گا تو اس کے بعد یہ نظام خود بہ خود قائم ہو جائے گا۔ انگریزی میں مثال کے طور پہ آپ کوئی لفظ لکھتے ہیں تو اگر آپ نے دو تین حرف ادھر ادھر کر بھی دیے ہیں تو بھی وہ خود بہ خود اس کو صحیح کر دیتا ہے۔ اگر آپ کو اس کے باوجود اپنی ہجے پر اصرار ہے تو آپ اسے دوبارہ لکھ دیں تو وہ اس کو بھی مان لیتا ہے حالاں کہ وہ نشان لگا دیتا ہے کہ یہ اس کا املا نہیں ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق پاکستان میں اِن پیج کا ایسا ورژن بن بھی گیا ہے جس میں آٹو کریکشن کی سہولت موجود ہے۔ مگر شاید وہ بھی عام صارفین کی دسترس میں نہیں ہے۔

اعراب اور اضافتوں کا مسئلہ

اردو نویسی میں اعراب اور اضافتوں کا مسئلہ البتہ بہت ضرورِی اور فوری توجہ کے قابل ہے۔ اردو میں جیسے علم لکھا جاتا ہے ویسے ہی علَم بھی لکھا جاتا ہے لیکن دونوں کے معنی بالکل الگ ہیں۔ سِحر اور سَحر جیسے متعدد لفظوں کا معاملہ بھی ایسا ہے۔ پھر وہ الفاظ ہیں جو ابتدائی یا درمیانی کسی حرف کے فرق کی وجہ سے الگ الگ پہچانے جاتے ہیں مثلاً سدا اور صدا، یا کچھ ایسے الفاظ بھی ہوتے ہیں جن کا تلفظ اور املا دونوں مختلف ہوتا ہے لیکن عام لوگ دونوں کو ایک ہی طرح پڑھتے ہیں، مثلاً سہرا اور صحرا۔

اسی طرح سے ہوا (Air) اور ہُوا (happened) ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے۔ 'کیا' (سوال) اور 'کیا' (did/done) دونوں ایک ہی طرح سے لکھے جاتے ہیں۔ تو یہ معاملات کچھ تو اعراب سے طے ہو سکتے ہیں اور کچھ یہ ہیں کہ جن کے لیے املا میں تبدیلی لازمی طور پہ کی جانی چاہیے۔ مثلاً ابھی میں نے عین تابش کے شعری مجموعے میں ہوا کو حمزہ کے ساتھ لکھا ہوا دیکھا: ۂوا۔ یعنی ہ، ہمزہ، و، ا۔ پتا نہیں یہ طریقہ پہلے کبھی رائج تھا یا ان کے اپنے ذہن کی اختراع ہے... مگر مجھے یہ قابلِ تقلید معلوم ہوا۔

اعراب کے سلسلے کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اہلِ زبان تو صحیح تلفظ سے واقف ہوتے ہیں کیوں کہ یہ ان کی بول چال کی زبان ہے۔ لیکن اگر یہ ذہن میں رہے کہ اب اردو بول چال کی زبان اتر پردیش اور بہار کے شرفا کے علاوہ کسی کی نہیں ہے۔ جب کہ اردو کو مادری زبان کہنے والے اور اردو لکھت پڑھت سے وابستہ افراد ہندستان اور پاکستان دونوں جگہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں، جن کے سامنے مقامی بولیوں اور حروف کے تدبھو یعنی غیر خالص یا عامیانہ مخرجات کا دباو ہے۔ وہ لکھے ہوئے لفظ کا تلفظ یا تو اساتذہ کی رہنمائی میں اختیار کرتے ہیں یا اپنی صواب دید کے مطابق۔ اخبار کا پڑھنے والا نہ طالبِ علم ہوتا ہے نہ استاد۔ صحافت یوں بھی ترسیل کے نام پر زبان کی شکل بگاڑنے میں ذرا تامل نہیں کرتی۔ اہلِ زبان کی اس بات پر مجھے یاد آیا کہ ہند و پاک میں جو قرآن شریف کے نسخے طبع ہوتے ہیں وہ اعراب کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن سعودی عرب میں جو نسخے طبع ہوتے ہیں وہ اعراب کے بغیر ہوتے ہیں۔ کیوں کہ معمولی خواندہ عربی داں بھی جب قرآن کو پڑھے گا تو اس کے الفاظ کی صحیح صورت یا تلفظ سے وہ آگاہ ہوتا ہے۔ اردو کی موجودہ ڈیموگرافی کو دیکھتے ہوئے بھی یہ ضروری ہو گیا ہے کہ کم از کم اسکولی کتابوں میں اور اخبارات میں معنوی طور پر متحرک لفظوں کو اعراب کے ساتھ ہی لکھا جائے۔ ادبی اور علمی کتابوں میں (کم از کم اب تک) اس کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ یہ قاری زبان کا پختہ شعور رکھتا ہے۔ اس کے سامنے اگر الفاظ اعراب کے ساتھ آئیں گے تو وہ اس کے لیے نامانوس ہوں گے، مطالعے میں حارج ہوں گے۔ گیان شاطر نامی ایک ضخیم ناول 1995 کے آس پاس شائع ہوا تھا جس میں اعراب کا اہتمام کیا گیا تھا، لیکن سہولت کی بہ جاے یہ قرأت میں حارج ہی ہوا۔ مجھے اس کو پڑھنے میں بہت دقت ہوئی کئی اور لوگوں نے بھی دِقت بتائی۔

اضافتوں (اضافت، فکِ اضافت اور اضافتِ مقلوب) کے سلسلے میں اطہر فاروقی صاحب نے صراحت سے اور خاصی پُر مغز گفتگو کی ہے جس کی بھرپور تائید ہونی چاہیے۔ کیوں کہ یہ وہ مسئلہ ہے کہ 'اکثر بڑے بڑے لکھنے والے اردو بولتے وقت اس باب میں فاش اغلاط کے مرتکب ہوتے ہیں۔'

اردو-انگریزی کا مسئلہ

انگریزی الفاظ کو اردو میں لکھنے کا مسئلہ پیچیدہ ہے۔ الگ الگ خطے کے لوگوں کی زبان سے کئی حروف نامانوس طرح سے ادا ہوتے ہیں۔ اگر مشرقی یو پی کے لوگ آکسفورڈ بولتے ہیں تو ان کو آپ اَوکسفرڈ لکھ بھی دیجیے تو بھی وہ اسے آکسفورڈ ہی پڑھیں گے۔ اسی طرح مثال کے طور پہ دلّی سے پنجاب تک کے لوگ پین (Pen) کو پَین (Pan) کہتے ہیں۔ شمالی ہندستان کے ہندی داں بھی ہندی میں पैन لکھتے ہیں۔ مجھے تو یہ مسئلہ تقریباً لاینحل لگتا ہے۔ و ما علینا الا البلاغ۔

خورشید اکرم
فلیٹ نمبر 73 B، پوکیٹ A، سُکھ دیو وہار، ڈی ڈی اے فلیٹس،
نئی دہلی-110025
E-mail: akramkhurshid1@gmail.com

اسٹینڈرڈ
انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 350 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیر الدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمینِ وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ و آثارِ دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچّی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-
مٹی کا قرض	ڈاکٹر نریش	300/-

ایس ایم خان: نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو

معصوم مرادآبادی

انڈین انفارمیشن سروس کے سبک دوش آفیسر ایس.ایم.خان نے گذشتہ 17 نومبر 2024 کو نئی دہلی کے ایک اسپتال میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ جوں ہی ان کے انتقال کی خبر سوشل میڈیا پر عام ہوئی تو ہر طرف تعزیتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہر کسی نے ان کی شرافت، نرم مزاجی اور ہمدردی کے جذبوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ میں نے کوئی تین دہائیوں تک انھیں قریب سے دیکھا اور ان کی صلاحیتوں کا ادراک بھی کیا۔ عام طور پر مسلم افسران اپنے فرقے کے لوگوں سے ایک فاصلہ بنا کر رکھتے ہیں، لیکن ایس.ایم.خان کی خوبی یہ تھی کہ وہ جس عہدے پر بھی رہے، وہاں انھوں نے عام مسلمانوں سے کوئی فاصلہ نہیں بنایا اور قدم قدم پر ان کے کام آئے۔ مسلمان ہی نہیں وہ ضرورت مند غیرمسلموں کی بھی ایسی ہی مدد کیا کرتے تھے۔ نہ جانے کتنے نوجوانوں کی انھوں نے سرکاری ملازمتیں دلوانے میں مدد کی۔ ایک خوش مزاج، باوقار اور ہنس مکھ انفارمیشن آفیسر کے طور پر وہ میڈیا حلقوں میں بھی بہت مقبول تھے، اسی لیے ان کے انتقال پر سب سے زیادہ سنّاٹا مجھے میڈیا سنٹر میں محسوس ہوا۔

ایس.ایم.خان کا پورا نام شہزاد محمد خاں تھا۔ دوستوں کی محفلوں میں وہ 'شہزاد بھائی' اور سرکاری حلقوں میں 'خان صاحب' کے نام سے مشہور تھے۔ مختلف سرکاری محکموں میں ملازمت کے دوران میں نے ان کی جو قدر ومنزلت دیکھی وہ کم ہی افسروں کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ ان کی ایمانداری اور دیانت داری تو تھی ہی، سب کے کام آنے کا جذبہ بھی تھا۔ وہ لوگوں کے کام بنانے کے بہانے تلاش کرتے تھے اور کبھی کسی سے ترش بیانی نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ماتحت ان سے بے حد خوش رہتے تھے۔ یوں تو وہ تمام ہی صحافیوں کے کام آتے تھے، لیکن اردو صحافیوں کے ساتھ ان کا رویّہ خاص ہمدردی کا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب وہ سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے پریس سکریٹری تھے تو وہاں یومِ جمہوریہ اور یوم آزادی کے موقعے پر ہونے والی 'ایٹ ہوم' جیسی خاص تقریبات میں انگریزی اور ہندی صحافیوں کے ساتھ اردو صحافیوں کو بھی مدعو کیا جاتا تھا۔ پی آئی بی میں بھی انھوں نے اردو صحافیوں اور اردو یونٹ کا خاص خیال رکھا۔ انھوں نے 1982 میں آئی ایس ایس سروس سے اپنا کیریر شروع کیا تھا۔ اپنی مخصوص وضع قطع، بردباری اور وقار کی وجہ سے صحافی برادری میں ان کی بہت قدر ومنزلت تھی۔ ان کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ عام نوکرشاہی کے برعکس کام کو الجھانے کی بجائے سلجھانے پر یقین رکھتے تھے، اس لیے پی آئی بی میں ہر ضرورت مند صحافی ایس.ایم.خان کو تلاش کرتا ہوا آتا تھا۔ وہ بہت بے باک اور نڈر بھی تھے۔

مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ یہ 2008 کا ذکر ہے۔ سری نگر میں پی آئی بی نے آل انڈیا ایڈیٹرس کانفرنس منعقد کی تھی۔ ایس.ایم.خان پی آئی بی کے اعلا افسر کے طور پر اس کے میزبان تھے۔ اس کانفرنس میں تمام زبانوں کے سرکردہ ایڈیٹر شریک تھے۔ کانفرنس کے اختتام پر ہمیں کشمیر کے خوب صورت سیاحتی مقام گل مرگ لے جایا گیا۔ سیر وتفریح کے بعد جب ہم واپس سری نگر آرہے تھے تو راستے میں ایک مقام پر فوجی گارڈیوں نے ہمارے قافلے کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ بندوقیں تنی ہوئی تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ صورتِ حال بڑی نازک معلوم ہوتی تھی۔ کسی کو ٹس سے مس ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ سب سے پہلے ایس.ایم.خان اپنی گاڑی سے اترے۔ فوجی کمانڈر نے بڑے تلخ لہجے میں ان سے پوچھا کہ ''آپ لوگ کون ہیں؟'' شہزاد بھائی نے بڑے اطمینان کے ساتھ اپنا اور پورے قافلے کا تعارف کرایا تو فوجی افسر مزید طیش میں آگیا۔ ''اگر آپ سرکاری دورے پر ہیں تو پیچھے جب آپ کے قافلے کو چیکنگ کے لیے ہمارے فوجیوں نے رکنے کا اشارہ کیا تو آپ وہاں کیوں نہیں رکے؟'' سوالوں کی ایک بوچھار تھی جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ہم اپنی گاڑی میں خاموش بیٹھے تھے۔ سب کی تلاشی لی گئی۔ دراصل گل مرگ کے راستے میں کہیں فوجی جوانوں نے ہمارے قافلے کو چیکنگ کے لیے رکنے کا اشارہ کیا تھا، مگر ڈرائیور نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ وجہ یہ تھی کہ ہمارے ساتھ خود سکیورٹی اہل کار تھے جو ہماری حفاظت پر مامور تھے، لیکن وہاں فوج کا اپنا رنگ ہے جس کے سامنے مقامی پولیس کی کوئی اہمیت نہیں۔ فوجی اشاروں کو نظرانداز کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ خطرہ ٹل چکا تھا اور ہم بعافیت سری نگر میں اپنے ہوٹل تک پہنچ گئے۔

شہزاد بھائی ایک بلند آہنگ شخصیت کا نام تھا۔ ان کا پرتو بڑا متاثر کن تھا۔ چوڑی پیشانی، دراز قد، سرخی مائل گورا رنگ، لب شیریں، گفتگو اور لہجہ نرم۔ وہ ایک نیک اور صاف دل انسان تھے۔ بنیادی طور پر وہ اقبالؔ کے اس شعر کی تعبیر نظر آتے تھے۔

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو　　رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

شہزاد محمد خاں کی پیدائش 15 اگست 1957 کو یوپی کے ضلع بلندشہر کے قصبے خورجہ میں ہوئی تھی۔ ان کا خاندان وکیلوں کا خاندان تھا۔ خود انھوں نے بھی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے ایل ایل ایم کیا تھا، جہاں انھیں یونی ورسٹی میں ٹاپ کرنے کی وجہ سے چانسلر نے گولڈ میڈل سے بھی نوازا تھا۔ اس کے بعد وہ معاشیات کی تعلیم حاصل کرنے انگلینڈ کی یونی ورسٹی آف ویلس گئے۔ 1982 میں آئی ایس ایس سروس میں آنے کے بعد ان کا سب سے زیادہ وقت ملک کی سب سے بڑی تحقیقاتی ایجنسی سی بی آئی کے ساتھ گزرا، جہاں انھوں نے تقریباً 13 برس تک ترجمان کی خدمات انجام دیں۔ وہ ایک زمانے میں سی بی آئی کا چہرہ بن گئے تھے اور روز ہی قومی اور بین الاقوامی میڈیا کو بریف کرتے نظر آتے تھے۔ ان میں بلا کی خوداعتمادی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب سی بی آئی ہرشد مہتہ کیس، راجیو گاندھی قتل کیس اور بوفورس اسکینڈل کی جانچ کررہی تھی۔

ان کا سب سے بہترین دور سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے ساتھ گزرا، جہاں وہ صدر جمہوریہ کے چیف ترجمان کے طور پر تعینات تھے۔ ڈاکٹر کلام کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ انھوں نے ڈاکٹر کلام کے ساتھ متعدد ملکی اور غیرملکی دورے کیے۔ میری تجویز پر انھوں نے صدرِ جمہوریہ کے ساتھ گزارے ہوئے اوقات پر مبنی ایک کتاب 'دی پیوپلز پریزیڈنٹ' تصنیف کی جس کا بعد میں اردو اور ہندی ترجمہ بھی ہوا۔

ایس.ایم.خان نے فلم ڈویژن کے ڈائرکٹر کے طور پر بھی خدمات انجام دیں۔ وہ پی آئی بی کے ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل اور پریس رجسٹرار آف انڈیا کے عہدوں پر بھی فائز رہے۔ انھوں نے تین برس تک دوردرشن میں ڈائرکٹر جنرل (نیوز) کی خدمات بھی انجام دیں۔ یہاں ان کا سب سے بڑا کارنامہ دوردرشن کے علاحدہ اردو ڈیسک کا قیام تھا جس کے تحت اردو خبروں کے یومیہ دس بلیٹن نشر ہوتے تھے۔ انھوں نے دوردرشن کی خبروں کے معیار کو بھی بلند کیا۔ 2017 میں سرکاری ملازمت سے سبک دوشی کے بعد ایس ایم خان سماجی خدمت کے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ اس سے قبل 2014 میں انھیں انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر کا ٹرسٹی اور 2019 میں سب سے زیادہ ووٹوں سے سینٹر کا نائب صدر چنا گیا تھا۔ وہ سنٹر کے حالیہ الیکشن میں بھی بی او ٹی ممبر کے طور پر کامیاب ہوئے تھے۔ وہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کورٹ کے ممبر بھی رہے اور یونیورسٹی کی ایکزیکیٹو کونسل میں صدر جمہوریہ کے نمائندے بھی رہے۔ انھوں نے جامعہ ہمدرد میں ریزیڈنشل کوچنگ اکیڈمی کے ڈائرکٹر کے طور پر سول سروس کے امیدواروں کو بہترین گائڈینس فراہم کی۔ ایس.ایم.خان نے حکومتِ ہند کے اعلا آفیسر کے طور پر جو عزت ووقعت حاصل کی، وہ کم ہی افسران کو حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

Z-103، تاج انکلیو، دہلی–110031
masoom.moradabadi@gmail.com

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئ دہلی–110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***